# فہم القرآن

# ترجمۂ قرآن مجید

## مع صرفی و نحوی تشریح

از: لطف الرحمٰن خان

## سورة البقرة

### آیت ۱۱۶

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝۱۱۶﴾

© rasailojaraid.c

**و ل د**

وَلَدَ (ض) لِدَةً۔ ولادۃً۔ ولَادًا (ض): بچہ جننا۔ ﴿وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝﴾ (نوح) ''اور وہ لوگ نہیں جنیں گے مگر گنہگار ناشکرے کو''۔

وَالِدٌ مونث وَالِدَةٌ (اسم الفاعل): پیدائش کا باعث ہونے والا۔ والد' باپ۔ ﴿وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ﴾ (لقمان:۳۳) ''تم لوگ ڈرو ایک ایسے دن سے جب کام نہیں آئے گا کوئی باپ اپنی اولاد کے''۔ ﴿لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِھَا﴾ (البقرۃ:۲۳۳) ''ضرر نہ پہنچایا جائے کسی ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے۔''

وَالِدَانِ (وَالِدٌ کا تثنیہ): اصطلاحاً ماں باپ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ﴾ (لقمان:۱۴) ''کہ تو شکر کر میرا اور اپنے ماں باپ کا''۔

مَوْلُوْدٌ (اسم المفعول): پیدا کیا ہوا' یعنی بچہ۔ ﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ﴾ (لقمان:۳۳) ''اور نہ کوئی بچہ کام آنے والا ہے اپنے باپ کے''۔

وَلَدٌ ج اَوْلَادٌ (اسم ذات): بچہ یا بچی' لیکن زیادہ تر عرف میں بیٹے کے لئے

© rasailojaraid.c

استعمال ہوتا ہے۔ ''وَلَدٌ'' کا لفظ واحد' جمع' مذکر' مؤنث' سب کے لئے آتا ہے اور اس کی جمع اَوْلَادٌ' وِلْدَةٌ' اِلْدَةٌ اور وُلْدٌ بھی آتی ہے۔

وَلِيْدٌ ج وِلْدَانٌ : فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ کم عمر لڑکا۔ ﴿وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ﴾ (الدھر:١٩) ''اور پھریں گے اُن کے گرد ہمیشگی دیئے ہوئے کم عمر لڑکے۔''

## ق ن ت

قَنَتَ (ن) قُنُوْتًا: اطاعت کرنا' فرمانبرداری کرنا۔ ﴿وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (الاحزاب:٣١) ''اور جو فرمانبرداری کرے گی تم میں سے اللہ کی اور اس کے رسول کی۔''

اُقْنُتْ (فعل امر) : تو اطاعت کر' فرمانبرداری کر۔ ﴿يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ﴾ (آل عمران:٤٣) ''اے مریم! آپ فرمانبرداری کریں اپنے رب کی۔''

قَانِتٌ (اسم الفاعل) : فرمانبرداری کرنے والا۔ ﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا﴾ (الزمر:٩) ''یا وہ جو فرمانبرداری کرنے والا ہے رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرنے والا اور قیام کرنے والا ہوتے ہوئے۔''

**ترکیب**: ''اِتَّخَذَ'' فعل' ''اَللّٰهُ'' فاعل اور ''وَلَدًا'' مفعول' یہ جملہ فعلیہ ''قَالُوْا'' کا مقولہ ہے' جبکہ ''سُبْحٰنَهٗ'' جملہ معترضہ ہے۔ مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا۔ ''بَلْ'' حرفِ عطف و اضراب مقولہ کی تردید کے لئے آیا ہے۔ ''مَا'' موصولہ مبتدأ ہے' اس کی خبر ''مَوْجُوْدٌ'' محذوف ہے' جبکہ ''فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' اور ''لَهٗ'' متعلق خبر ہیں۔ ''لَهٗ'' کا لام' لام تملیک ہے۔ ''كُلٌّ'' مبتدأ نکرہ ہے۔ لما فیه من معنی العموم۔ ''قٰنِتُوْنَ'' خبر اور ''لَهٗ'' متعلق خبر ہیں۔ ''كُلٌّ'' ہمیشہ مضاف ہو کر استعمال ہوتا ہے' اس کا مضاف الیہ محذوف ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''كُلُّ اَحَدٍ مِّنْهُمْ'' ۔ یا ''كُلُّهُمْ'' مضاف الیہ کو حذف کر کے اس کے عوض میں ''كُلٌّ'' کے اوپر تنوین آ گئی۔ اس کو ''تنوین عوض'' کہتے ہیں۔

ترجمہ:

| | |
|---|---|
| وَقَالُوا : اور انہوں نے کہا | اتَّخَذَ : بنایا |
| اللّٰهُ : اللہ نے | وَلَدًا : ایک بیٹا |
| سُبْحٰنَهٗ : اس کی پاکیزگی ہے | بَلْ لَّهٗ : بلکہ اس کی ملکیت ہے |
| مَا : جو کچھ | فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : آسمانوں میں اور زمین میں ہے |

© rasailojaraid.c

كُلٌّ لَّهٗ : سب اس کی　　قٰنِتُوْنَ : فرمانبرداری کرنے والے ہیں

نوٹ (۱) فعل "اِتَّخَذَ" دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے کہ کس کو بنایا اور کیا بنایا؟ اس آیت میں مفعول اوّل (کس کو بنایا) محذوف ہے اور صرف مفعول ثانی (کیا بنایا) مذکور ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس طرح سے اس نوعیت کے تمام عقائد کی تردید ہو گئی ہے۔ اگر مفعول اوّل مذکور ہوتا تو صرف مذکورہ عقیدے کی تردید ہوتی۔

نوٹ (۲) اولاد کی ضرورت صاحبِ اولاد کی ذات کے کسی نقص کی دلیل ہوتی ہے۔ مثلاً صاحبِ اولاد کی ذات کا فانی ہونا' تاکہ اولاد کی شکل میں اس کی ذات کا تسلسل برقرار رہے اور کوئی نام لینے والا ہو۔ یا صاحبِ اولاد کے کسی کام کا نامکمل رہ جانا' تاکہ اولاد اس کے کام کو آگے بڑھائے' وغیرہ وغیرہ۔ جملہ معترضہ "سُبْحٰنَهٗ" سے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر نوعیت کے نقص سے پاک ہے۔

© rasailojaraid.c

## آیت ۱۱۷

﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝﴾

**ب د ع**

بَدَعَ (ف) بَدْعًا : نمونے کے بغیر کوئی چیز بنانا' ایجاد کرنا۔ اس لفظ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے کہ نمونہ' مادہ یا اوزار وغیرہ کے بغیر ایجاد کرنا۔

بَدِيْعٌ (فَعِيْلٌ کے وزن پر اسم الفاعل) : ایجاد کرنے والا۔ (آیت زیرِ مطالعہ)

بِدْعٌ (صفت) : نیا' انوکھا۔ ﴿مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ (الاحقاف:۹) "میں کوئی انوکھا نہیں ہوں رسولوں میں سے۔"

اِبْتِدَاعًا (باب افتعال سے) : اہتمام سے کوئی نئی چیز ایجاد کرنا۔ ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ﴾ (الحدید:۲۷) "اور رہبانیت! انہوں نے ایجاد کیا اس کو' ہم نے واجب نہیں کیا جسے اُن پر۔"

**ق ض ی**

قَضٰى (ض) قَضَاءً : (۱) کسی چیز کو مضبوطی سے بنانا۔ ﴿فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ (حٰم السجدۃ:۱۲) "تو اُس نے مضبوطی سے بنایا اُن کو سات آسمان۔" (۲) کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہو جانا۔ ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ (البقرۃ:۲۰۰) "پس جب تم

© rasailojaraid.c

لوگ فارغ ہو جاؤ اپنے عبادت کے طریقوں سے تو یاد کرو اللہ کو۔" (۳) کسی بات یا کام کا فیصلہ کرنا۔ ﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ﴾ (بنی اسرائیل:۲۳) "اور فیصلہ کیا تیرے ربّ نے کہ تم لوگ عبادت مت کرو مگر اُسی کی۔"

اِقْضِ (فعل امر): تو فیصلہ کر۔ ﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا﴾ (طٰہٰ) "پس تو فیصلہ کر جو تو فیصلہ کرنے والا ہے۔ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تو فیصلہ کرے گا اِس دنیا کی زندگی کا۔"

قَاضٍ (فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل): فیصلہ کرنے والا۔ (ملاحظہ کریں مذکورہ بالا آیت)

مَقْضِیٌّ (اسم المفعول): فیصلہ کیا ہوا۔ ﴿وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا﴾ (مریم) "اور وہ تھا فیصلہ کیا ہوا کام۔"

**ترکیب**: مرکب اضافی "بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" خبر ہے۔ اس کا مبتدأ "ھُوَ" محذوف ہے۔ "اِذَا" کلمۂ شرط ظرف اور "قَضٰی اَمْرًا" اِذَا کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور۔ قَضٰی اَمْرًا شرط اور "فَاِنَّمَا" میں فاء رابطہ ہے اور "اِنَّمَا" میں "مَا" کافہ زائدہ ہے۔ "کُنْ" "کَانَ" تامہ سے فعل امر ہے۔ "فَیَکُوْنُ" میں "فاء" استیناف اور یَکُوْنُ فعل مضارع ہے کَانَ تامہ سے اور معنی ہے فھو یحدث۔ "فَاِنَّمَا" سے "فَیَکُوْنُ" تک جواب شرط ہے۔ "فَیَکُوْنُ" کو جمہور نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے "یَقُوْلُ" پر عطف کرتے ہوئے یا اس سے پہلے "ھُوَ" ضمیر مبتدأ محذوف کی خبر مان کر۔ تقدیر عبارت یوں ہے: "فَھُوَ یَکُوْنُ"۔

ترجمہ

| | |
|---|---|
| بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : زمین اور آسمانوں کا ایجاد کرنے والا ہے | وَاِذَا : اور جب بھی |
| قَضٰی : وہ فیصلہ کرتا ہے | اَمْرًا : کسی کام کا |
| فَاِنَّمَا : تو بس | یَقُوْلُ : وہ کہتا ہے |
| لَهٗ : اس کو | کُنْ : تو ہو جا |
| فَیَکُوْنُ : پس وہ ہو جاتا ہے | |

© rasailojaraid
© rasailojaraid

## آیت ۱۱۸

وَقَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ لَوۡ لَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوۡ تَاۡتِیۡنَاۤ اٰیَۃٌ ؕ کَذٰلِکَ قَالَ
الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِہِمۡ ؕ تَشَابَہَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ
یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾

**ترکیب** : ''یُکَلِّمُ'' فعل ضمیر مفعولی ''نَا'' اس کا مفعول اور ''اللّٰہُ'' فاعل ہے۔ اسی طرح ''تَاۡتِیۡ''، فعل، ضمیر مفعولی ''نَا'' اس کا مفعول اور ''اٰیَۃٌ'' فاعل ہے۔ ''کَذٰلِکَ قَالَ'' کا فاعل ''الَّذِیۡنَ'' ہے اور اس کا مفعول ''قَوۡلاً'' محذوف ہے۔ ''مِثۡلَ'' اس کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''بَیَّنَّا'' کا فاعل اس میں شامل ''نَحۡنُ'' کی ضمیر ہے۔ ''اَلۡاٰیٰتِ'' اس کا مفعول ہے۔ ''لِقَوۡمٍ'' متعلق فعل ہے اور ''قَوۡمٍ'' نکرہ موصوفہ ہے' اس کی صفت جملہ فعلیہ ''یُوۡقِنُوۡنَ'' ہے۔

ترجمہ

| | |
|---|---|
| وَقَالَ : اور کہا | الَّذِیۡنَ : ان لوگوں نے جو |
| لَا یَعۡلَمُوۡنَ : نہیں جانتے | لَوۡ لَا : کیوں نہیں |
| یُکَلِّمُنَا : کلام کرتا ہم سے | اللّٰہُ : اللہ |
| اَوۡ : یا (کیوں نہیں) | تَاۡتِیۡنَا : آتی ہمارے پاس |
| اٰیَۃٌ : کوئی نشانی | کَذٰلِکَ : اس کی طرح |
| قَالَ : کہا | الَّذِیۡنَ : انہوں نے جو |
| مِنۡ قَبۡلِہِمۡ : ان سے پہلے تھے | مِّثۡلَ قَوۡلِہِمۡ : ان کے قول کی مانند |
| تَشَابَہَتۡ : باہم ملتے جلتے ہوئے | قُلُوۡبُہُمۡ : ان کے دل |
| قَدۡ بَیَّنَّا : ہم واضح کر چکے ہیں | الۡاٰیٰتِ : نشانیوں کو |
| لِقَوۡمٍ : ایسے لوگوں کے لئے جو | یُّوۡقِنُوۡنَ : یقین کرتے ہیں |

نوٹ (۱) ''لَوۡ لَا'' اور ''لَوۡمَا'' جب فعل پر آتے ہیں تو زیادہ تر مضارع پر آتے ہیں۔ اُس وقت ''لَوۡ'' شرطیہ نہیں ہوتا بلکہ تمنی ہوتا ہے' اس لئے غیر عامل ہوتا ہے' یعنی مضارع کو مجزوم نہیں کرتا اور منفی ہونے کی وجہ سے ''کاش ایسا ہوتا'' کے بجائے ''کیوں نہ ایسا ہوا'' کے معانی دیتا ہے۔ اس کے بعد اگر فعل مستقبل آئے تو بمعنی تخضیض اور اگر ماضی آئے تو بمعنی

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

توبیخ ہوتا ہے۔

نوٹ(۲) ''اَوْ تَاْتِیْنَا اٰیَۃٌ'' میں آیت کا لفظ قرآن مجید کی آیات کے لئے نہیں ہے' بلکہ کھلی نشانی کے لئے ہے اور ''مِنْ قَبْلِھِمْ'' میں عمومیت ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے اس نوعیت کے جتنے مطالبے کئے جا چکے ہیں' ان سب کی طرف اشارہ ہے۔اس کی ایک بہت واضح مثال بنو اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ تھا کہ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں' اس وقت تک ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے۔(البقرۃ:۵۵)

نوٹ (۳) ''لِقَوْمٍ'' کی صفت ''یُوْقِنُوْنَ'' آئی ہے۔ یہ دراصل علم الیقین کی بات ہے۔اس دنیا میں انسان کا اصل امتحان علم کی بنیاد پر یقین کرنا یعنی ایمان لانا ہے۔اور صرف علم الیقین پر ہی اجر وثواب ملتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کو دیکھ لینے کے بعد یقین کرنے یعنی ایمان لانے میں کوئی کمال نہیں ہے۔ اس لئے عین الیقین پر کوئی اجر و ثواب بھی نہیں ہے۔

© rasailojaraid

اب یہ سمجھ لیں کہ علم الیقین کے لئے objective thinking شرط ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی پسند و ناپسند اور معاشرتی رواج کو ایک طرف رکھتے ہوئے صحیح بات اور حقیقت کو معلوم کرنے کی خواہش رکھے اور اس کے لئے کوشش کرے۔ یہ خواہش اور تڑپ جتنی زیادہ ہوگی' انسان اتنا ہی علم سے استفادہ کر کے حقائق کا یقین حاصل کرے گا۔

اس کے برعکس subjective thinking میں انسان کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ کہیں سے اور کسی طرح سے کوئی ایسی بات ملے جس سے اس کی پسند و ناپسند کی تصدیق و تائید ہوتی ہو۔ایسا انسان کتنی بھی معلومات جمع کر لے' علم حاصل کر لے اور تحقیق کر لے' اس کے دل و دماغ کھلی کھلی نشانیوں کو بھی قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

اس حوالہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس طرح قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے تقویٰ شرط ہے (البقرۃ:۲) اسی طرح ہمارے اپنے وجود اور اس کائنات میں بکھری ہوئی بے شمار نشانیوں (حٰمٓ السجدۃ:۵۳) سے عرفان حاصل کرنے کے لئے objective thinking شرط ہے۔ ع

فیضانِ محبت عام تو ہے' عرفانِ محبت عام نہیں!

© rasailojaraid

## آیت ۱۱۹

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۱۱۹﴾

**ترکیب** : ''اِنَّآ'' دراصل ''اِنَّ نَا'' ہے۔ ضمیر منصوبہ 'نَا' 'اِنَّ' کا اسم ہے۔ ''اَرْسَلْنٰكَ'' سے ''نَذِيْرًا'' تک جملہ فعلیہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے۔ ''اَرْسَلْنَا'' فعل ہے' اس میں شامل ''نَا'' ضمیر متصل مرفوع کی ضمیر اس کا فاعل ہے اور ضمیر مفعولی 'كَ' مفعول ہے۔ ''بالحق'' جار و مجرور یا تو ضمیر مفعولی 'كَ' سے حال واقع ہونے کی بنا پر مقامِ نصب میں ہیں اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ وَمَعَكَ الْحَقُّ'' اور یا فاعل سے حال واقع ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: ''اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ وَمَعَنَا الْحَقُّ'' جبکہ ''بَشِيْرًا'' اور ''نَذِيْرًا'' ضمیر مفعولی ''كَ'' کا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ ''بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا'' عطف ہو کر مقامِ نصب میں ہے۔ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ مرفوع اور بضم التاء پڑھنے کی صورت میں حال ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: ''اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّغَيْرَ مَسْئُوْلٍ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ''۔ مضارع مجہول ہے اور اس میں شامل 'اَنْتَ' کی ضمیر نائب الفاعل ہے۔ نیز بصیغہ نہی وَلَا تُسْـَٔلْ پڑھنا بھی جائز ہے' اس صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا۔

© rasailojaraid

**ترجمہ**

| | |
|---|---|
| اِنَّآ : بیشک ہم نے | اَرْسَلْنٰكَ : بھیجا آپؐ کو |
| بِالْحَقِّ : حق کے ساتھ | بَشِيْرًا : خوشخبری دینے والا ہوتے ہوئے |
| وَّنَذِيْرًا : اور خبردار کرنے والا ہوتے ہوئے | وَلَا تُسْـَٔلُ : اور آپ سے نہیں پوچھا جائے گا |
| عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ : دوزخ والوں کے بارے میں | |

نوٹ (۱) مطلب یہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ حضور ﷺ سے یہ نہیں پوچھے گا کہ ہم نے حق دے کر آپ کو بھیجا تھا' لوگوں کو خوشخبری دینا اور خبردار کرنا آپ کی ذمہ داری تھی' تو پھر یہ اتنے لوگ جہنمی کیوں قرار پائے۔ اس سے یہ اصول ملتا ہے کہ کسی کوشش کے نتیجے کے بارے میں قیامت کے دن انسان کو جوابدہی نہیں کرنی ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نتیجہ پر

© rasailojaraid

انسان کا اختیار نہیں ہے۔ کسی کوشش کا نتیجہ نکلے گا یا نہیں، کب نکلے گا، کتنا نکلے گا، یہ سارے فیصلے اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضۂ قدرت میں رکھے ہوئے ہیں اور ان کا کوئی اختیار اس نے انسان کو delegate نہیں کیا ہے۔ اس لئے نتیجہ سے انسان بریٔ الذمہ ہے۔
البتہ کوشش کرنے یا نہ کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کوشش کی quantity اور quality دونوں پر انسان کو کنٹرول دیا گیا ہے۔ اس لئے قیامت میں اس کی کوششوں کے متعلق انسان سے پوچھا جائے گا اور اس کی اسے جواب دہی کرنی ہوگی۔

## آیت ۱۲۰

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَاۗءَھُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۱۲۰﴾

رض ی

رَضِیَ (س) رِضًی اور مَرْضَاۃً: (۱) کسی سے راضی ہونا۔ اس معنی میں عموماً ”عَنْ“ کا صلہ آتا ہے۔ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ﴾ (المائدۃ:۱۱۹) ”اللہ راضی ہوا اُن سے اور وہ لوگ راضی ہوئے اُس سے۔“ (۲) کسی چیز کو پسند کرنا۔ اس معنی میں ”بِ“ کا صلہ آتا ہے یا مفعول بنفسہٖ آتا ہے۔ ﴿اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ (التوبۃ:۳۸) ”کیا تم لوگوں نے پسند کیا دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں۔“ ﴿وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ﴾ (المائدۃ:۳) ”اور میں نے پسند کیا تمہارے لئے اسلام کو بطور دین۔“

رَاضِیَۃٌ (فَاعِلٌ مؤنث فَاعِلَۃٌ کے وزن پر اسم الفاعل): راضی ہونے والا، پسند کرنے والا۔ ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ﴾ (الغاشیۃ) ”کچھ چہرے اُس دن تروتازہ ہونے والے ہیں، اپنی کوشش پر راضی ہونے والے ہیں۔“

مَرْضِیَّۃٌ: ناقص کے اسم المفعول کے وزن مَرْضِیٌّ کا مؤنث ہے۔ مطلب ہے پسند کیا ہوا، پسندیدہ۔ ﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۤۖ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۚ﴾ (الفجر) ”اے مطمئن جان! تو واپس چل اپنے ربّ کی طرف، پسند کرنے والی ہوتے ہوئے، پسندیدہ ہوتے ہوئے۔“

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

رَضِیٌّ : فَعِیْلٌ کے وزن پر اسم المفعول کے معنی میں صفت ہے۔ ﴿وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾ (مریم) ''اور تو بنا اس کو اے میرے ربّ پسندیدہ۔''

رِضْوَانٌ (اسم ذات): خوشنودی۔ ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (التوبۃ:۷۲) ''اور اللہ کی خوشنودی سب سے بڑی ہے۔''

اِرْضَاءٌ (باب اِفعال): کسی کو راضی کرنا۔ ﴿يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ (التوبۃ ۸) ''وہ راضی کرتے ہیں تم لوگوں کو اپنے مُنہ سے (یعنی اپنی باتوں سے)۔''

تَرَاضٍ: باب تفاعل کا مصدر ہے۔ باہم ایک دوسرے سے راضی ہونا۔ ﴿اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (النساء:۲۹) ''سوائے اس کے کہ وہ ہو کوئی سودا تم لوگوں کے باہمی رضامندی سے۔''

© rasailojaraid.com

اِرْتِضَاءٌ (اِفتعال): اہتمام سے پسند کرنا۔ ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ (الانبیاء:۲۸) ''اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر جس کے لئے وہ پسند کرے گا۔''

## مِلَّۃ

امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ دین کی طرح ''مِلَّۃ'' بھی اس دستورِ الٰہی کا نام ہے جو اللہ اپنے بندوں کے لئے جاری فرماتا ہے' تاکہ اس پر چل کر انسان قربِ خداوندی حاصل کر سکے اور یہ دستور انبیاء کی وساطت سے بندوں تک پہنچتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں لفظ ملت کا اطلاق کئی جگہ باطل مذاہب پر بھی ہوا ہے جو خود انسانوں کا تراشیدہ تھا' دستورِ الٰہی پر مبنی نہ تھا۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل خانہ کے دونوں قیدیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اسی طرح سورۃ ''ص'' میں اللہ عزوجل نے قریش کا قول نقل فرمایا ہے: ﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ﴾ (آیت ۷) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ ''ابن عباس' کلبی اور مقاتل کے نزدیک ملۃٌ آخرۃٌ سے مراد نصرانیت ہے' اس لئے کہ نصرانیت توحید سے خالی ہو چکی تھی (اور تثلیث پر مبنی تھی) مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مذہب قریش مراد ہے''۔ مِلۃٌ آخرۃٌ سے مذہب قریش مراد ہو یا تثلیث پر مبنی نصرانیت' دونوں دستورِ الٰہی پر مبنی نہیں تھیں۔ اس صورت میں راغب کا یہ کہنا کہ ملت دین ہی کی طرح دستورِ الٰہی کا نام ہے' بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے۔ شاید راغب کی مراد یہ ہو کہ ''مِلَّۃ'' اصل میں تو دستورِ الٰہی کا نام ہے جو انبیاء کی معرفت بھیجا جاتا ہے' لیکن اگر انسانی دماغ کبھی اس میں

© rasailojaraid.com

خرد برد کرلیں تب بھی بطورِ مجاز اس پر لفظ ملت کا اطلاق ہو جاتا ہے کیونکہ خرد برد کرنے والوں کے دعویٰ میں تو شکستہ اور بریدہ دین یا دستور بھی اللہ کا بھیجا ہوا دین ہوتا ہے۔ واللہ اعلم!

امام راغب نے ملة اور دین کا فرق ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''لفظ 'ملت' کی اضافت صرف انبیاء کی طرف ہوتی ہے کسی غیر نبی کی طرف نہیں' اسی طرح اس کی اضافت اللہ کی طرف بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ ''مِلَّةُ اللّٰه'' اور ''مِلة زيدٍ'' یا ''مِلَّتِي'' نہیں کہا جاتا۔ ہاں 'دین' کا استعمال عام ہے''۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ لفظ ''ملت'' کی انبیاء کے ساتھ تخصیص بھی امام راغب کے اسی نظریہ پر مبنی ہے کہ ملت صرف دستور الٰہی کا نام ہے جو انبیاء کی معرفت بھیجا جاتا ہے۔ کیونکہ غیر انبیاء کی طرف اضافت خود سورۂ یوسف کی آیت ﴿اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ میں موجود ہے۔

© rasailojaraid.com

امام راغب نے لفظ ''ملت'' کا استعمالی ماخذ أملت الكتاب کو قرار دیا ہے' اگر کوئی تحریر آپ کسی سے لکھوائیں تو کہیں گے أملت الكتاب۔ تو گویا اللہ کی جاری کردہ یا تحریر کردہ چیز ''ملة'' ہوئی۔

**ترکیب** : واو استیناف اور ''لَنْ'' حرفِ نفی' نصب اور استقبال ہے۔ ''تَرْضٰی'' فعل مضارع منصوب بلَنْ ہے۔ ''عَنْكَ'' جار و مجرور متعلق ''تَرْضٰی'' ''اَلْيَهُوْدُ'' فاعل ''وَلَا النَّصٰرٰى'' ''اَلْيَهُوْدُ'' پر عطف ہے۔ ''حَتّٰى'' حرف غایت و جر ''تَتَّبِعَ'' فعل مضارع منصوب بان مضمرة وجوبا بعد حتی ''مِلَّتَهُمْ'' مفعول بہ اور فاعل تَتَّبِعَ میں اَنْتَ ضمیر مقدر۔ ''قُلْ'' فعل امر مبنی علی السکون والجملة مستانفة۔ ''اِنَّ'' حرف مشبہ بالفعل ''هُدَى اللّٰهِ'' اس کا اسم۔ ''هُوَ'' مبتدا ''الْهُدٰى'' اس کی خبر' یہ جملہ اسمیہ ''اِنَّ'' کی خبر ''وَلَئِنْ'' واو استیناف۔ ''لام'' موطئہ للقسم ''اِنْ'' حرف شرطِ جازم ''اتَّبَعْتَ'' فعل ماضی محلاً مجزوم تاء ضمیر بارز فاعل ''اَهْوَاءَهُمْ'' مفعول بہ۔ جواب شرط محذوف ہے جس پر جواب قسم دلالت کرتا ہے۔ ''بَعْدَ'' ظرف۔ ''الَّذِيْ'' اسم موصول بعد کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور' اور یہ متعلق ہے ''اتَّبَعْتَ'' کے ''جَآءَكَ'' صلہ ہے موصول کا۔ ''مِنَ الْعِلْمِ'' لفظاً مجرور محلاً منصوب ہے جَآءَ کے خبر فاعل سے حال ہونے کی بناء پر۔ تقدیر عبارت یوں ہے ''جَآءَكَ كَآئِنًا مِنَ الْعِلْمِ۔ ''مَالَكَ'' ما نافیہ ''لَكَ'' جار مجرور متعلق لمحذوف خبر مقدم ''مِنَ اللّٰهِ'' جار مجرور متعلق ولی کے۔ ''مِنْ وَّلِيٍّ'' من جر زائد ولی مجرور لفظاً مرفوع محلاً علی انه مبتدا موخر۔ ''وَلَا نَصِيْرٍ''

© rasailojaraid.com

عطف علیٰ ''ولی''۔

ترجمہ

| | |
|---|---|
| وَلَنْ تَرْضٰی: اور ہرگز راضی نہیں ہوں گے | عَنْكَ : آپؐ سے |
| الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی : یہودی اور نہ ہی عیسائی | حَتّٰی : یہاں تک کہ |
| تَتَّبِعَ : آپؐ پیروی کریں | مِلَّتَهُمْ : ان کے عقیدوں کی |
| قُلْ : آپؐ کہیے | اِنَّ هُدَی اللّٰهِ : بیشک اللہ کی ہدایت |
| هُوَ الْهُدٰی :ہی کُل ہدایت ہے | وَلَئِنِ : اور اگر |
| اتَّبَعْتَ : آپؐ نے پیروی کی | اَهْوَآءَهُمْ : ان کی خواہشات کی |
| بَعْدَ الَّذِیْ : اس کے بعد جو | جَآءَكَ : آیا آپ کے پاس |
| مِنَ الْعِلْمِ : علم میں سے | مَالَكَ : تو نہیں ہے آپؐ کے لئے |
| مِنَ اللّٰهِ : اللہ (کی طرف) سے | مِنْ وَّلِیٍّ : کوئی بھی کارساز |
| وَّلَا نَصِیْرٍ : اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی مددگار | |

نوٹ (۱) لفظ ''هُدًی'' مبنی کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس آیت میں ''هُدَی اللّٰهِ'' کے حوالے سے یہ بات نوٹ کرلیں کہ مبنی کی طرح ہونے کے باوجود جب یہ مضاف بنتا ہے تو اس کی تنوین ختم ہو جاتی ہے۔

نوٹ (۲) پنجابی کی ایک کہاوت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کہنا بیٹی سے لیکن سنانا بہو کو۔ اس آیت میں خطاب کا انداز یہی ہے۔ بظاہر خطاب حضور ﷺ سے ہے لیکن درحقیقت ہم لوگوں کے کان کھولے گئے ہیں اور خبردار کیا گیا ہے۔

نوٹ (۳) اس آیت میں استعمال ہونے والے الفاظ ''مِلَّتَهُمْ'' اور ''اَهْوَآءَهُمْ'' نیز ''هُدَی اللّٰهِ'' اور ''الْعِلْمِ'' کے مابین جو ربط و ترتیب ہے اس پر اگر تھوڑا سا غور کریں تو آیت کے بین السطور پیغام کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ پیغام یہ ہے کہ یہود، عیسائی یا دنیا کے دیگر عقائد و نظریات کی بنیاد دراصل ان عقائد کے حامل افراد کی خواہشات پر رکھی گئی ہے۔ ایسے نظریات میں علم کا جو عنصر شامل ہوتا ہے، اسے analyse کرنے کے بجائے rationalise کیا جاتا ہے یعنی subjective thinking سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رُسل کے ذریعہ جو ہدایت بھیجی ہے اس کی بنیاد اصل

(باقی صفحہ 36 پر)

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c